مقالہ نمبر ا

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق
جناب مولانا محمد سعد صاحب کی بعض قابل اشکال باتیں
اوران کی طرف سے دیئے گئے جوابات کی تحقیق

مرتب

محمد زید مظاہری ندوی، استاذ حدیث وفقہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد وعلىٰ آله واصحابه اجمعين

مقالہ نمبر ا

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق جناب مولانا محمد سعد صاحب کی بعض قابل اشکال باتیں اوران کی طرف سے دیئے گئے جوابات کی تحقیق

مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی کی ایک تقریر کا اقتباس

جناب مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی نے بنگلہ والی مسجد نظام الدین دہلی میں ۱۳/ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۳/دسمبر ۲۰۱۶ء میں اور دوسرے موقعوں میں بھی عام مجمع کے سامنے اپنی تقریر میں بیان فرمایا:

''یوسف علیہ السلام بڑے سخت حالات میں تھے، تہمت لگی تھی عزیزِ مصر کے گھر سے اور بہت سخت حالات تھے، لیکن دو چیزیں اللہ دیکھنا چاہتے ہیں داعی سے، ایک تو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات سے متاثر ہوکر دعوت الی اللہ چھوڑ تو نہیں دیتا، ایک یہ دیکھتے ہیں اللہ انبیاء علیہم السلام کو کہ یہ حالات سے پریشان ہوکر ہمارے غیر سے مدد تو نہیں چاہتے؟ دوسرے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات سے متأثر ہوکر دعوت الی اللہ کا عمل چھوڑ تو نہیں دیتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پھر یوسف نے پھران کوان کے خواب کی تعبیر بھی بتلادی اور یہ خیال ہوا کہ ان میں سے ایک آدمی جیل سے رہا ہوکر اور باعزت بری ہوکر بادشاہ کے پاس جائے گا لہٰذا بادشاہ کے پاس یہ پیغام پہونچادوں (سنو دھیان سے) کہ یوسف علیہ السلام نے اتنے عرصہ سے جیل میں ہے کچھ اس کے مقدمہ پر غور کرلیا جائے اوراس کو جیل سے رہا کردیا جائے، اللہ کی شان یوسف علیہ السلام کو شیطان نے اللہ کی یاد بھلادی، یوسف علیہ السلام کو شیطان نے اللہ کی یاد بھلادی، یوسف علیہ السلام کو شیطان نے اللہ کی یاد بھلادی کہ یوسف علیہ السلام نے جیل سے نکلنے کے لئے ہم سے کیوں نہیں کہا؟

داعی کے لئے یہ دو چیزیں انتہائی ضروری ہیں، انتہائی ضروری کہ جب اس کے راستہ میں کوئی حال آئے تو وہ اپنے حال کواس سے کہے جس کی طرف سے پیغام لے کر بھیجا ہوا ہے، دنیا میں آپ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام کے لئے بھیجیں اگراس کے کام میں کوئی رکاوٹ پیش آئے گی یا اسے کوئی دقت پیش آئے گی تو وہ رجوع کرے گا اور رابطہ کرے گا بھیجنے والے سے، جس نے کام کے لئے بھیجا ہے اس سے ہی رابطہ کرے گا کہ آپ بتائیے کہ میں کیا کروں؟ میرے کام میں رکاوٹ پیش آگئی میں کیا کروں؟ یوسف علیہ السلام نے رہا ہونے والے سے فرمایا: ''أُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ'' کہ میرا تذکرہ کردینا بادشاہ کے سامنے ''فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهٖ'' شیطان نے یوسف علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے رب کی یاد بھلادی اس کے بعد یوسف علیہ السلام عرصہ جیل میں رہے۔ (ماخوذ از: بے علمی کی گفتگو ص ۱و۲، مرتبہ مولانا انیس احمد ندوی، مطبوعہ اسلامک سروس لکھنؤ)

مولانا محمد سعد صاحب دامت برکاتہم نے مرکز نظام الدین میں یہ تقریر فرمائی اور دوسرے موقعوں پر بھی الفاظ وتعبیر کے فرق کے ساتھ کثرت سے اس کو بیان فرماتے ہیں، اس کے نتیجہ میں مرکز نظام الدین سے یہ بات چل پڑی اور مرکز نظام الدین کے دوسرے ذمہ دار حضرات بھی اس بات کو بڑی قوت سے بیان کرتے رہتے ہیں، چنانچہ مرکز نظام الدین کے بعض ذمہ داران حضرات لکھنؤ کے تبلیغی مرکز میں تشریف لائے اور پوری قوت کے ساتھ مغرب کے بعد کے بیان میں فرمایا جس کو احقر نے خود سُنا کہ:

''یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ سے مدد چاہی جس کے نتیجہ میں ان کو مزید سات سال جیل میں سڑنا پڑا'' (انتہیٰ بلفظہ)

اس مجمع میں سُننے والے عوام الناس کثرت سے تھے اس کو سن کر وہ بھی اسی بیبا کی سے بیان کرنے لگے کہ یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ سے مدد چاہی جس کی سزا میں ان کو مزید سات سال جیل میں سڑنا پڑا، نعوذ باللہ۔

مولانا محمد سعد صاحب کے اس بیان کا نتیجہ یہ نکلا کہ سامعین کا ہر چھوٹا بڑا ادنیٰ درجہ کا شخص بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی شان میں یہی گستاخی کرنے لگا، اور آئندہ بھی اس کے زبردست خطرات ہیں کہ مولانا کے متوسلین ومحبین اور معتقدین خصوصاً اصحاب تبلیغ اور ان کی ماتحتی میں رہنے والا عملہ بھی ان ہی گستاخانہ باتوں کو بیان کرنے کا معمول بنالیں، اس لئے اس کا سدّ باب بہرحال ضروری ہے، قابل فکر بات یہ ہے کہ مولانا کے اس بیان ہی کی حمایت اور تائید میں آنجناب کی طرف سے حوالہ اور مراجع جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اور جوابات کی شکل میں وہ شائع بھی کئے گئے ہیں، جو اس وقت احقر کے پیش نظر ہیں، اور حضرات اہلِ علم کے لئے موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔

مولانا کے مذکورہ بیان پر حضرات اہل علم کا اشکال

جناب مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی کے مذکورہ بیان پر حضرات اہل علم کا ایک سوال یہ ہے کہ مولانا کے بیان کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام نے نجات پانے والے قیدی سے اپنی خلاصی کے لئے یہ کہا کہ بادشاہ سے میرا بھی تذکرہ کردینا الخ۔

لیکن یہ تذکرہ کس حقیقت اور کس بات کا کس غرض اور کس مقصد سے؟ قرآن پاک میں اور کسی صحیح حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں، بلکہ قرآن پاک میں یہ بات مبہم رکھی گئی ہے، بہت سے علماء محققین کی رائے یہ ہے کہ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قیدی کو اس مدت میں جن باتوں کی تبلیغ فرمائی تھی، اور توحید کا پیغام اُس کو پہنچایا اور سبق سکھلایا تھا، یوسف علیہ السلام نے اس قیدی سے فرمایا کہ بادشاہ کے پاس جاکر بھی میرے اس پیغام توحید اور دعوت کا تذکرہ کرنا، تاکہ بادشاہ کو بھی بالواسطہ توحید کی دعوت پہنچ جائے، یعنی توحید کی دعوت یوسف علیہ السلام نے اس قیدی کو تو بلا واسطہ خود دی تھی، اور بادشاہ کو توحید کی دعوت قیدی کے واسطہ سے پہنچائی، اس سے دعوت وتبلیغ کا یہ اصول سمجھ میں آتا ہے کہ دعوت جس طرح بلا واسطہ ہوتی ہے بواسطہ بھی ہوتی ہے۔

جب کہ دوسرے حضرات مفسرین نے یہ تفسیر اختیار کی ہے کہ: **اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ** میں حضرت یوسف علیہ السلام کا اُس قیدی سے یہ کہنا کہ اپنے آقا یعنی بادشاہ سے میرا تذکرہ کردینا، یہ قید سے نجات اور خلاصی کے لئے تھا، اور چونکہ یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر غیر اللہ سے استعانت کی، یعنی اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے مدد چاہی، اس وجہ سے ان کو مزید کئی سال بطور عتاب کے جیل میں رہنا پڑا، مولانا سعد صاحب دامت برکاتہم نے اس دوسری تفسیر کو اختیار کرتے ہوئے اس سے دعوت وتبلیغ کا یہ اصول اور داعی کا یہ وصف مستنبط کیا ہے کہ داعی کو غیر اللہ سے استعانت نہیں کرنا چاہئے۔

اس دوسری تفسیر میں قابل غور بات یہ ہے کہ **اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ** اور **فَاَنْسٰهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ**، میں شیطان کے بھلانے کا تعلق یوسف علیہ السلام سے ہے، یعنی شیطان نے یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے غافل کردیا، جس کے نتیجہ میں وہ رب العالمین سے غافل ہو کر غیر اللہ سے استعانت کر بیٹھے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب ہوا، جب کہ یہ یقینی بات ہے کہ اکابر علماء دیوبند کے نزدیک محقق اور راجح قول کے مطابق یہ دونوں ہی باتیں بالکل غلط ہیں، ایک تو یہ کہ شیطان نے یوسف علیہ السلام کو بھلا دیا اور غفلت میں مبتلا کردیا، دوسرے یہ کہ غیر اللہ سے استعانت کے نتیجہ میں آپ پر عتاب ہوا، قرآن پاک میں تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے متعلق فرماتا ہے:

اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ. (سورۂ نحل پ۱۴)

ترجمہ: یقیناً اُس کا (یعنی شیطان کا) قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (بیان القرآن)

حضرت یوسف علیہ السلام تو جلیل القدر پیغمبر ہیں، شیطان کا ان پر ایسا تسلط کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ غیر اللہ سے استعانت کر بیٹھیں۔

نتائج کے لحاظ سے دونوں تفسیروں کا فرق

علمائے محققین اور اکابر علمائے دیوبند نے اس پہلی تفسیر کو صحیح سمجھتے ہوئے اس سے کچھ اہم اصول وآداب بھی مستنبط کئے ہیں۔

(۱) مثلاً یہ کہ دعوت وتبلیغ بالواسطہ بھی ہوتی ہے اور بلا واسطہ بھی، یعنی کبھی براہِ راست خود دعوت دی جاتی ہے اور کبھی کسی واسطہ اور ذریعہ سے پیغام پہونچا کر دعوت دی جاتی ہے، مثلاً یوسف علیہ السلام نے رہائی پانے والے قیدی کے ذریعہ بادشاہ کو توحید کی دعوت پہنچائی، جیسا کہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ''قصص القرآن'' میں تحریر فرمایا ہے۔

(۲) اسباب عادیہ کا اختیار کرنا توحید کے خلاف اور توکل کے اعلیٰ مقام کے منافی نہیں، اور نہ ہی شان انبیاء کے خلاف ہے، چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ اور حضرت تھانویؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے، نیز بہت سے موقعوں میں اس نوع کے اسباب عادیہ کا اختیار کرنا رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے۔

(۳) اور یہ کہ آدمی جس پر احسان کرے (جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے اس قیدی پر خواب کی تعبیر بیان کر کے احسان کیا تھا) اس سے کسی نوع کی خدمت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

جب کہ دوسری غیر معتبر تفسیر جس کو مولانا سعد صاحب نے اختیار کیا ہے اور جس کی حمایت میں نقول جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اس سے مولانا سعد صاحب نے دعوت وتبلیغ کا یہ اصول مستنبط کیا ہے کہ اسباب عادیہ میں بھی غیر اللہ سے استعانت نہیں کرنا چاہئے، داعی کا غیر اللہ سے استعانت کرنا موجب عقاب وعتاب ہے، اس دوسری تفسیر کا ماحصل اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ:

(۱) داعی کو ضرورت کے موقع پر بھی اسباب کے درجہ میں غیر اللہ استعانت نہیں کرنا چاہئے۔

(۲) اسباب کے درجہ میں بھی غیر اللہ سے استعانت حق تعالیٰ کے عقاب وعتاب کا باعث ہے۔

(۳) اس تفسیر کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام پر بھی سخت اعتراض لازم آتا ہے کہ انہوں نے غیر اللہ سے استعانت واستمداد کی، جس کے نتیجہ میں بطور عتاب کے ان کو مزید سات سال جیل میں رہنا پڑا۔

(۴) اس تفسیر کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام پر یہ الزام بھی آتا ہے کہ انہوں نے توحید وتقویٰ اور توکل کے خلاف کام کیا۔

(۵) اس تفسیر کے اختیار کرنے کے نتیجہ میں صرف حضرت یوسف علیہ السلام پر ہی نہیں دوسرے انبیاء اور جناب رسول اللہ ﷺ پر بھی سخت اعتراض لازم آتا ہے، **حسنات الأبرار سيّئات المقربين**، آپ سے بڑھ کر مقرب کون ہوگا، لیکن کتنے موقعوں میں آپ سے بھی اسباب کے درجہ میں غیر اللہ کو مدد کے لئے بلانے اور پکارنے کا تذکرہ حدیثوں میں آیا ہے، مثلاً غزوہ حنین وغیرہ میں شکست کے موقع پر آپ نے نام لے لے کر پکارا اور بلایا، اور یہ بلانا اس سخت موقع پر مدد ہی کے لئے تھا۔

قال فنادى يومئذ ندائين لم يخلط بينهما شيئاً قال التفت عن يمينه يا معشر الانصار .....ثم التفت عن يساره فقال يا معشر الانصار. (مسلم شریف باب اعطاء المؤلفۃ، ص ۳۳۸، ج۱)

قال رسول الله ﷺ أى عباس ناد أصحاب السمرة فقال عباس وكان رجلاً صيّتاً فقلت باعلىٰ صوتى أين أصحاب السمرة......ثم قصرت الدعوة على بنى الحارث بن الخزرج. الخ (مسلم شریف، باب غزوۃ الحنین ص ۱۰۰، ج۲)

خدانخواستہ ضرورت کے موقع پر بھی اسباب کے درجہ میں غیر اللہ سے استعانت کمال توحید اور توکل کے اعلیٰ مقام کے منافی اور موجب عتاب ہے، تو کیا نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی یہی کہا جائے گا کہ آپ نے بھی غیر اللہ سے استعانت کی جو موجب عتاب تھی؟

بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بعض موقعوں میں خود غیر اللہ سے استعانت کرنے کا امر فرمایا ہے چنانچہ نسائی شریف کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص مجھ پر حملہ آور ہو کر میرا مال لینا چاہے تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا:

اولاً اللہ کا واسطہ دے کر اس کو نصیحت کرو، اس شخص نے عرض کیا اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

فاستعن علیه بمن حولک من المسلمین.......فاستعن علیه بالسلطان. (نسائی شریف، فتح الملہم ص۱۶۱، ج۲)

مطلب یہ کہ اس کے مقابلہ میں اپنے قریبی مسلمانوں سے استعانت کرو...... سلطان سے استعانت کرو یعنی مدد چاہو۔

تو دیکھئے آپ ﷺ نے یہاں پر غیر اللہ سے استعانت کرنے کا صراحتاً حکم فرمایا، کیا اس کو بھی خلافِ توکل اور خلافِ توحید یا شرک قرار دیا جائے گا؟ پوری روایت یہ ہے:

أخرج النسائی من حدیث ابن مخارق عن أبیه قال: "جاء رجل إلی النبی ﷺ فقال: الرجل یأتینی فیرید مالی، قال: ذکّره بالله، قال: فإن لم یذکّر؟ قال: فاستعن علیه بمن حولک من المسلمین، قال: فإن لم یکن حولی أحد من المسلمین؟ قال: فاستعن علیه بالسلطان،قال: فإن نأی السلطان عنی؟ قال: قاتل دون مالک حتیٰ تکون من شهداء الآخرة أو تمنع مالک" کذا فی عمدة القاری. (نسائی شریف، فتح الملہم ص۱۶۱، ج۲)

نیز ایک مرتبہ بعض صحابہ نے نماز کی حالت میں کشادگی سے دیر تک سجدہ کرنے کی وجہ سے تھک جانے کی شکایت کی، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: **استعینوا بالرکب**، یعنی گھٹنوں کے ذریعہ مدد حاصل کرو۔

عن أبی هریرة قال اشتکیٰ أصحاب النبی ﷺ مشقة السجود علیهم إذا تفرّجوا فقال: استعینوا بالرکب.

(رواہ الترمذی، حدیث ۲۸۵ باب ماجاء فی الاعتماد فی السجود)

مطلب یہ کہ طویل سجدے میں ہاتھوں کو گھٹنے سے ٹیک لگا کر گھٹنے سے مدد حاصل کرو، تو تھکاوٹ کا زیادہ احساس نہ ہوگا، دیکھئے اس حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہی گھٹنے سے استعانت کا حکم دیا، حالانکہ ہر شخص کا گھٹنا غیر اللہ ہی ہوتا ہے، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہاں غیر اللہ سے مدد چاہی جارہی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی غیر اللہ سے استعانت کا حکم دیا؟ حاشا وکلا۔

اِسی طرح ایک روایت میں آپ نے غلام کے آقا کو حکم دیا کہ طاقت سے زیادہ کام کا بوجھ اس پر مت ڈالو، اور اگر اتنا بوجھ ڈال ہی دیا ہے تو اُس کی مدد کرو۔

لا تُکلّفوهم ما یغلبهم فإن کلّفتموهم فأعینوهم علیه. (مسلم شریف باب صحبۃ الممالیک، حدیث ۴۲۹۱، فتح الملہم ص۲۰۷، ج۸)

اِس روایت میں آپ نے آقا کو غلام کی اعانت کرنے کا خود حکم فرمایا ہے، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مذکورہ روایات میں آپ نے غیر اللہ سے مدد حاصل کرنے کا حکم دیا جب کہ خود آپ ﷺ ہی نے دوسری حدیث پاک میں اس کی ممانعت فرمائی ہے، چنانچہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے:

عن إبن عباس قال: کنت خلف النبی ﷺ یوماً فقال یا غلام: ....إذا سألت فأسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله الخ. (رواہ الترمذی ابواب صفۃ القیامۃ، باب ۵، حدیث ۲۶۳۵)

اصل بات یہ ہے کہ یہ اعانت واستعانت جس کا رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ روایات میں حکم دیا ہے سب ظاہری اسباب کے درجہ میں ہے اور اسباب کے درجہ میں غیر اللہ سے مدد لینا اور اس کی درخواست کرنا یا کسی کی مدد کرنا نہ شرک ہے نہ توکل وتقویٰ کے اعلیٰ مقام کے منافی ہے، اور نہ ہی شانِ نبوت کے منافی ہے، بلکہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل سے یعنی حدیث قولی وفعلی سے نیز دیگر انبیاء علیہم السلام سے بھی ثابت ہے، اور جن آیتوں اور حدیثوں میں غیر اللہ سے استعانت کی ممانعت آئی ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ اسباب سے ماوراء ہو کر یعنی غیر اللہ کو مختار ومستعان اور مستقل سمجھ کر اُس سے استعانت نہ کی جائے، اِس وجہ سے نہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان اور آپ کا عمل قابلِ اعتراض ہوسکتا ہے اور نہ ہی یوسف علیہ السلام کا قیدی سے **أذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ** قابلِ اعتراض ہے، البتہ کسی شخص کا کسی نبی پر اعتراض کرنا اور انبیاء کی شان میں گستاخی کرنا یہ ضرور سخت قابل اعتراض اور قابل تنبیہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، اس کی مزید تفصیل مقالہ کے اخیر میں بھی آرہی ہے۔

(۶) دونوں تفسیروں میں پہلی تفسیر کے نتیجہ میں اسباب کی ضرورت واہمیت اور ضرورت کے وقت اس کو اختیار کرنے کا سنن انبیاء میں سے ہونا معلوم ہوتا ہے، جب کہ دوسری تفسیر کے مطابق غلو فی الدین اور نبی کی شان میں گستاخی کا دروازہ کھلتا ہے کہ عمومی پیمانے پر عوام الناس کے سامنے بیان کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک علم سے بے بہرہ عامی شخص بھی کھڑے ہوکر بیبا کی سے بیان کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ سے مدد چاہی جس کے نتیجہ میں ان کو مزید سات سال جیل میں سڑنا پڑا، نعوذ باللہ من ذلک۔

الغرض یہ دو تفسیریں ہیں اور دونوں کے نتائج بھی سامنے ہیں، ہمارے علماء محققین اور حضرات اکابر علماء دیوبند نے اس دوسری تفسیر کو مردود اور باطل قرار دیا ہے، جب کہ مولانا سعد صاحب نے اسی مردود تفسیر کو اختیار کیا ہے، اور اس کو کثرت سے بیان بھی فرماتے ہیں، جس کے نتیجہ میں انبیاء کی شان میں گستاخی کا ایک دروازہ کھل گیا، اور مولانا ہی کی حمایت میں اس مردود تفسیر کے مطابق کتب تفسیر کے حوالہ سے مراجع بھی جمع کیے گئے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ دلائل اور احتیاط کا تقاضا کیا ہے، نیز ہمارے اکابر علماء دیوبند کی تحقیق اس سلسلہ میں کیا ہے، جس پر قائم رہنے کا اقرار کیا گیا ہے۔

کون سی تفسیر معتبر اور صحیح ہے؟

کتب تفسیر میں حوالے اور مراجع تو ہر طرح کے مل جائیں گے، لیکن ترجیح اور بیان کے لئے محقق و مدلل اور راجح قول ہی کو اختیار کرنا ضروری ہے، جس کو جمہور علمائے حقہ نے اور اکابر علمائے دیوبند نے صحیح قرار دیا اور قبول کیا ہو، جیسا کہ مختلف موقعوں میں مرکز نظام الدین کے ذمہ داروں کی طرف سے اس کا اقرار و دعویٰ بھی کیا گیا ہے۔

علماء محققین کے درمیان تو اتنی بات متفق علیہ ہے کہ تحقیق و تدقیق کے میدان میں علامہ ابن کثیرؒ کا جو مقام اور ان کا جو اعتبار ہے، وہ دوسرے مفسرین کا ہرگز نہیں، ان کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

حافظ ابن کثیرؒ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ جلیل القدر محدث بھی ہیں، اور روایات پر جرح وتنقید کے فن سے واقف ہیں، چنانچہ انہوں نے اول تو ان ضعیف اور موضوع روایات کو بکثرت چھانٹ دیا ہے جو متقدمین کی کتابوں میں لکھی چلی آرہی تھیں، دوسرے جو کمزور روایات وہ لائے ہیں عموماً ان کی عللِ اسناد پر بھی تنبیہ فرما دی ہے، تفسیر بالروایۃ کی کتابیں اکثر و بیشتر اسرائیلیات سے لبریز ہیں، لیکن ایسی روایات کے بارے میں حافظ ابن کثیرؒ کا طرز عمل انتہائی محتاط، صاف ستھرا اور خالص قرآن وسنت پر مبنی ہے۔

بہر کیف روایتی لحاظ سے تفسیر ابن کثیرؒ سب سے محتاط اور مستند تفسیر ہے۔ (علوم القرآن ص ۵۰۱،۵۰۲)

علامہ ابن کثیرؒ کی تحقیق

محقق موصوف علامہ ابن کثیرؒ نے مذکورہ دونوں تفسیروں میں سے پہلی ہی تفسیر کو صحیح اور دوسری کو نا قابل قبول اور باطل قرار دیا ہے، اور پہلی تفسیر کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے اس طرزِ عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسباب کے درجہ میں غیر اللہ سے استعانت کرنا، کسی کو وکیل یا سفارشی بنانا، درست اور جائز ہے، نہ ہی یہ توکل کے اعلیٰ مقام کے خلاف ہے اور نہ ہی شان انبیاء کے منافی، چنانچہ علامہ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں:

أذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ، یعنی أذکر أمری وما أنا فیه من السجن بغیر جرم عند الملک.

وفی هذا دلیل علی جواز السعی فی الأسباب ولا ینافی ذلک التوکل علی رب الأرباب، وقوله تعالیٰ فأنساه الشیطان أی فأنسیٰ النّاجی منهما الشیطان أن یذکر ما وصّاه به یوسف علیه السلام قاله مجاهد ومحمد بن إسحاق وغیر واحد وهو الصواب وهو منصوص أهل الکتاب. (قصص الانبیاء لابن کثیر ص ۲۳۰، البدایۃ والنہایۃ ص ۱۴۹، ج ۱)

علامہ ابن کثیرؒ کی تحقیق کے مطابق درست بات یہی ہے کہ اسباب کا اختیار کرنا توکل اور شان انبیاء کے منافی نہیں، نیز شیطان کے بھلانے اور غافل کردینے کا تعلق اس قیدی سے ہے نہ کہ یوسف علیہ السلام سے، یہی درست بات ہے، اسی کو مجاہد اور محمد بن اسحاق اور دوسرے بہت سے حضرات نے اختیار کیا ہے، واللہ اعلم۔

مردود تفسیر اختیار کرنے والوں کی سب سے پختہ دلیل اور اس پر حافظ ابن کثیرؒ کا رد

جن حضرات نے اس دوسری تفسیر کو اختیار کیا ہے جس میں یوسف علیہ السلام کے أذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ کہنے کی وجہ سے یعنی غیر اللہ سے استعانت کی وجہ سے ان کو جیل میں لمبی مدت تک رہنا پڑا، اس سلسلہ میں ان کی سب سے بڑی دلیل مندرجہ ذیل روایت ہے:

حدثنا عمر وبن محمد عن ابراهيم بن يزيد عن عمرو بن دينار عن عكرمة عن ابن عباس مرفوعاً قال: قال النبیﷺ: لو لم يقل يعني يوسف الكلمة التي قال ما لبث في السجن طول ما لبث حيث يبتغي الفرج من عند غير الله.

یہ حدیث پاک ان حضرات کی سب سے پختہ دلیل ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں رہتے ہوئے غیر اللہ سے استعانت کی، جس کی وجہ سے ان کو مزید سات سال جیل میں رہنا پڑا، اس حدیث کو درمنثور (ص ۵۴۱، ج ۴ مطبوعہ دارالفکر) کے حوالہ سے آنجناب کی طرف سے شائع شدہ جواب میں اول نمبر پر ذکر کیا گیا ہے۔ (ص ۶)

لیکن علامہ ابن کثیرؒ نے اس حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد فیصلہ کن بات یہ تحریر فرمائی ہے کہ یہ حدیث پاک کسی طرح بھی قابل قبول نہیں، اول تو اس وجہ سے کہ یہ سخت ضعیف ہے، کیونکہ اس میں سفیان بن وکیع راوی خود ضعیف ہے، اور ابراہیم بن یزید اس سے بڑھ کر ضعیف، اور یہ حدیث قتادہ وحسن دونوں سے ارسالاً منقول ہے، اور حدیث مرسل خود بھی قابل قبول نہیں، اور جن حضرات کے نزدیک قابل قبول ہے بھی تو ایسے موقعوں میں ہرگز قابل قبول نہیں، علامہ ابن کثیرؒ کے فیصلہ کے مطابق یہ حدیث پاک ضعاف اور مراسیل کا مجموعہ ہے، جو کسی طرح قابل قبول نہیں، علامہ کی عبارت درج ذیل ہے:

وهذا الحديث ضعيف جداً لأن سفيان بن وكيع ضعيف، وإبراهيم بن يزيد هو الخوزی أضعف منه ايضاً، وقد روى عن الحسن وقتادة مرسلاً عن كل منهما، وهذه المرسلات ههنا لا يقبل لو قبل المرسل من حيث هو في غير هذاالموطن، والله اعلم. (ابن کثیر ص ۶۲۴، ج ۲، سورۂ یوسف)

علامہ ابن کثیرؒ کے اس محققانہ کلام اور قطعی فیصلہ کے بعد دوسرے نقول اور دوسرے مراجع اور حوالوں کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی جن کو اختیار کرنے کے نتیجے میں حضرت یوسف علیہ السلام اور رسول اللہﷺ پر بھی الزام عائد ہوتا ہو، اور انبیاء کی شان میں گستاخی کا دروازہ کھلتا ہو، اللھم احفظنا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ رسول اللہﷺ نے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی عزت وحرمت کا کس قدر لحاظ فرمایا اور یوسف علیہ السلام کے صبر وتوکل اور حلم کی کس قدر تعریف فرمائی ہے، آپ نے ان کے صبر وحلم کی تعریف کرتے ہوئے ایک حدیث پاک میں تواضعاً یہاں تک فرمایا:

"**لو لبثت في السجن طول لبث يوسف لاجبت الداعي**" (مسلم شریف کتاب الایمان باب زيادة طمانينة القلب، فتح الملہم ص ۱۹۰، ج ۲)

کہ یوسف علیہ السلام کی جگہ قید خانہ میں اگر میں ہوتا اور اتنی لمبی مدت تک ٹھہرنا پڑتا تو بادشاہ کی طرف سے آئے ہوئے داعی کی دعوت پر میں فوراً باہر آجاتا، لیکن یوسف علیہ السلام کا صبر وحلم، اس درجہ تھا کہ اپنی برأت سے پہلے باہر آنا گوارہ نہیں فرمایا، واللہ اعلم۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہﷺ تو حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر وتوکل اور حلم کی اس درجہ تعریف فرمائیں اور امت کے سامنے اس کو ظاہر فرمائیں، لیکن بعد میں دوسرے لوگ یوسف علیہ السلام پر یہ جرم اور الزام عائد کریں کہ شیطان نے ان کو غفلت میں مبتلا کردیا، جس کی وجہ سے انہوں نے بے صبری کی اور غیر اللہ سے مدد چاہی، خود ہی غور کرلینا چاہئے کہ یہ بات کس حد تک درست ہوسکتی ہے؟

علماءِ دیوبند کی تحقیقات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی محققانہ تفسیر

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں علمائے دیوبند وغیرہ کی بھی تفسیریں ذکر کر دی جائیں، جن کے متعلق مولانا سعد صاحب نے بار بار اقرار کیا ہے کہ میرا مسلک ومشرب وہی ہے جو اکابر علمائے دیوبند وسہارنپور کا ہے۔

محقق کبیر علامہ ابن کثیرؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے ٹھیک اسی کے مطابق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اپنی تفسیر بیان القرآن میں اسی کو اختیار فرمایا ہے جب کہ حضرت تھانویؒ نے اس بات کا اہتمام والتزام کیا ہے کہ مختلف تفاسیر میں صرف راجح اور محقق تفسیر اور مختلف اقوال میں صرف راجح قول ہی کو لیں گے، باقی سے تعرّض نہیں کریں گے۔ (بیان القرآن)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ان آیات کی تفسیر اور اس پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

فائدہ: ''چونکہ اسباب عادیہ کا استعمال جائز ہے، اس لئے اس امر میں یوسف علیہ السلام پر کوئی شبہ نہیں ہوسکتا، اور یہ جو فرمایا فلبث الخ یہ بطور عتاب کے نہیں فرمایا بلکہ نسیان پر محض مرتب کرنا اس امر کا مقصود ہے کہ وہ جو بھول گیا اس لئے کوئی سامان ان کے نکلنے کا نہ ہوا، خوب سمجھ لو!''

نیز تحریر فرماتے ہیں:

اس میں (یعنی یوسف علیہ السلام کے اس قصہ میں) دلالت ہے کہ اگر ازالۂ شدائد کے لئے (یعنی مصیبتوں کو دور کرنے مثلاً قید سے خلاصی کے لئے) کسی مخلوق سے استعانت کرے، خصوصاً جس پر احسان کیا ہو کچھ حرج نہیں، کیونکہ یہ اسباب مشروعہ میں سے ہے، اور اس کو احسان کا عوض نہ کہا جائے گا، احسان سے محبت پیدا ہو جاتی ہے، اور محبت سے استعانت گوارہ ہوتی ہے۔

(بیان القرآن، سورہ یوسف پ۱۲ ص۱۷۹و۱۸۱، ج۵)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ٹھیک علامہ ابن کثیرؒ کے موافق ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی اس محققانہ تفسیر سے واضح طور پر مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) اسباب عادیہ کا استعمال بالکل جائز ہے، جو شان نبوت کے منافی نہیں، اس لئے اس بارے میں کسی نبی پر کوئی شبہ اور اعتراض نہیں ہوسکتا۔

(۲) بلکہ اسباب کی مشروعیت اور اس کے جواز کی دلیل میں علامہ ابن کثیرؒ اور حضرت تھانویؒ نے اس قصہ کو بیان کیا ہے۔

(۳) اس نوع کی مخلوق سے استعانت خصوصاً جس پر کوئی احسان کیا ہو بالکل درست اور جائز ہے، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

(۴) یوسف علیہ السلام کا قید میں مزید رہنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ غیر اللہ سے یعنی اس قیدی سے رہائی کے لئے آپ نے کیوں کہہ دیا تھا۔

(۵) نیز آپ کی قید کی مدت کا بڑھ جانا یہ بطور عتاب کے نہ تھا، بلکہ یہ ایک اتفاقی امر تھا کہ وہ ساقی مشغولی کی وجہ سے بادشاہ سے یوسف علیہ السلام کا تذکرہ کرنا بھول گیا، اس اتفاقی امر کی وجہ سے آپ کو مزید جیل میں رہنا پڑ گیا۔

مولانا سعد صاحب کے بیان کردہ باتوں اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بیان کردہ تفصیل کا مقابلہ کیجئے اور خود ہی فیصلہ کیجئے کہ دونوں میں مطابقت ہے یا تضاد؟ اور شیخ موصوف کیا واقعی مسلک علمائے دیوبند پر قائم ہیں یا اس سے ہٹ رہے ہیں اور امت کو بھی اُسی رخ پر لے جا رہے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ کی تفسیر

مفسر قرآن مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ جو اکثر و بیشتر حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تحقیقات ہی کی اتباع کرتے اور اسی کو درست سمجھتے اور قول فیصل کا درجہ دیتے ہیں، اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''محققین نے کہا ہے کہ اسباب عادی سے کام لینا بالکل جائز ہے، اس لئے اس بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی شبہ نہیں ہوسکتا، اور یہ حقیر کہتا ہے کہ یہاں تو جس سے استعانت کی جارہی ہے وہ سرے سے مومن ہی نہ تھا، کافر ہی تھا اور استعانت کرنے والے ایک نبی برحق ہیں، یہاں سے تقویٰ میں ان غلو کرنے والے متشددین کی بے حقیقی بالکل واضح ہوجاتی ہے، جنہوں نے مخلوق سے ہر استعانت کو ناجائز بلکہ حرام قرار دیا ہے، مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ:

اس میں دلالت ہے کہ اگر ازالۂ شدائد کے لئے کسی مخلوق سے استعانت کرے، خصوصاً جس پر احسان کیا ہو کچھ حرج نہیں، کیونکہ یہ اسباب مشروعہ میں سے ہیں، اور اس کو احسان کا عوض نہ کہا جائے گا، احسان سے محبت پیدا ہوجاتی ہے، اور محبت سے استعانت گوارہ ہوتی ہے''

(تفسیر ماجدی سورہ یوسف ص ۶۱۰، ج ۲)

مفسرِ قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر

مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ان آیات کی تفسیر کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہائی کے لئے اس قیدی سے کہا کہ جب بادشاہ کے پاس جاؤ تو میرا بھی ذکر کرنا، کہ وہ بے قصور جیل میں ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ کسی مصیبت سے خلاصی کے لئے کسی شخص کو کوشش کا واسطہ بنانا، توکل کے خلاف نہیں۔

(معارف القرآن ص ۱۵۵، ج ۴، سورہ یوسف)

فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی تفسیر

فقیہ وقت، شارح حدیث، مفسر قرآن، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بھی ان آیات کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ آیت فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ میں شیطان کے بھلا دینے اور غفلت میں مبتلا کردینے کا تعلق یوسف علیہ السلام سے نہیں بلکہ اس قیدی سے تھا چنانچہ شیخ موصوف ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت یوسف علیہ السلام نے جس قیدی کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ وہ چھوٹ جائے گا اور واپس جاکر حسب معمول اپنے آقا کو شراب پلائے گا، اس سے آپ نے یہ بات فرمائی کہ: تم اپنے آقا یعنی بادشاہ سے میرا تذکرہ کرنا کہ ایک شخص بے گناہ جیل میں پڑا ہوا ہے، اس کے معاملہ پر آپ کو توجہ کرنی چاہئے، مگر جیسا کہ آگے بیان فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ شخص بادشاہ سے یہ بات کہنا بھول گیا، جس کی وجہ سے انہیں کئی سال اور جیل میں رہنا پڑا۔ (توضیح القرآن سورہ یوسف، ص ۵۱۱)

مفسر قرآن، شارح حدیث علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی تفسیر

اکابر علماء دیوبند کی مایہ ناز شخصیت مفسر قرآن شارح حدیث علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے کہ شیطان نے اس ساقی کو بادشاہ کے سامنے تذکرہ کرنے سے بھلا دیا جس کے نتیجہ میں آپ کو مزید چند سال قید میں رہنا پڑا، یعنی شیطان کے نسیان میں اور غفلت میں مبتلا کرنے کا تعلق اس قیدی سے ہے نہ کہ یوسف علیہ السلام سے، چنانچہ شیخ موصوف اپنی تفسیر میں ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''وہ قید خانہ سے نکلا، تو (یوسف علیہ السلام نے اس سے) فرمایا کہ اپنے بادشاہ کی خدمت میں میرا بھی ذکر کرنا، کہ ایک ایسا شخص بے قصور

قید خانہ میں برسوں سے پڑا ہے، مبالغہ کی ضرورت نہیں، میری حالت جو تم نے مشاہدہ کی ہے بلا کم وکاست کہہ دینا''

''فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ،یعنی شیطان نے چھوٹنے والے قیدی کے دل میں مختلف خیالات ووساوس ڈال کر ایسا غافل کیا کہ اسے بادشاہ کے سامنے اپنے محسن بزرگ یوسف علیہ السلام کا تذکرہ یاد ہی نہ رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام کو کئی سال اور قید میں رہنا پڑا'' (تفسیر عثمانی ص ۳۱۹)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی مذکورہ آیت کی تفسیر حضرت تھانویؒ کی تفسیر کے مطابق فرمائی ہے، البتہ نکتے اور حکمت کے طور پر دوسری بات کو بھی اخیر میں ذکر کیا ہے، جس کی علماء محققین نے سخت تردید فرمائی ہے، لیکن پیش نظر جوابات میں اصل تفسیر کو چھوڑ کر نکتے اور حکمت والی بات کو ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ پیشِ نظر جواب میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے:

''نیز شیخ الاسلام علامہ شبیر عثمانیؒ اپنی تفسیر میں مدت قید دراز ہوجانے میں بطور حکمت وغیرہ یہ تحریر فرماتے ہیں:

لیکن ہر ایک شر میں حق تعالیٰ کوئی خیر کا پہلو رکھ دیتا ہے، یہاں بھی گو اس نسیان کا نتیجہ تطویل قید کی صورت میں ظاہر ہوا، تاہم حضرت شاہ صاحب کی نکتہ آفرینی کے موافق اس میں یہ تنبیہ ہوگئی کہ ایک پیغمبر کا دل ظاہری اسباب پر نہیں ٹھہرنا چاہئے، بلکہ ابن جریر اور بغوی (۴۲۸، ج۲) وغیرہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ ''فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ'' کی ضمیر یوسف کی طرف راجع کرتے ہیں، گویا ''أُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ'' کہنا ایک طرح کی غفلت تھی جو یوسف کو عارض ہوئی، انہوں نے قیدی کو کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا، حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ سب ظاہری سہارے چھوڑ کر وہ خود اپنے رب سے فریاد کرتے، بیشک کشف شدائد کے وقت مخلوق سے ظاہری استعانت اور اسباب کی مباشرت مطلقاً حرام نہیں ہے، لیکن ابرار کی حسنات مقربین کی سیئات بن جاتی ہیں، جو بات عامۃ الناس بے کھٹکے کرسکتے ہیں، انبیاء کے منصب عالی کے اعتبار سے وہی بات ایک قسم کی تقصیر بن جاتی ہے، امتحان وابتلاء کے موقع پر انبیاء کی شانِ رفیع اسی کو مقتضی ہے کہ رخصت پر نظر نہ کریں، انتہائی عزیمت کی راہ چلیں، چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا 'أُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ'' کہنا عزیمت کے خلاف تھا، اس لئے عتاب آمیز تنبیہ ہوئی، کہ کئی سال تک مزید قید اٹھانی پڑی، اور اسی لئے ''انسا'' کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی۔ (جوابات ص ۸)

واضح رہے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اصل تفسیر تو اوپر فرمائی، اور یہ بات بطور نکتہ اور حکمت کے تحریر فرمائی ہے، جو علامہ ابن کثیرؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تحقیق وتصریح کے بالکل خلاف ہے، نیز ابن جریر اور بغوی کے حوالہ سے علامہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے تحقیقی نقطہ نظر سے یہ بات بھی ناقابل قبول ہے، اسی وجہ سے علماء محققین حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب وغیرہ نے اس کی واضح طور پر تردید فرمائی ہے۔

ابن جریر اور بغوی نے اپنی تفسیر میں فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ میں ضمیر کا مرجع یوسف علیہ السلام کو قرار دیا ہے، کہ شیطان نے آپ کو بھلا دیا تھا، جس کی وجہ سے آپ نے غیر اللہ سے فریاد کی اور جس کی پاداش میں مزید آپ کو جیل میں رہنا پڑا، لیکن مضبوط دلائل کے پیش نظر یہ فکر اور نقطۂ نظر بالکل غلط اور باطل ہے۔

دوسرے حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے پوری تحقیق کے بعد جس تفسیر کو اختیار کیا ہے اس کے بھی خلاف ہے۔

نیز علامہ ابن کثیرؒ نے بھی اس کو مردود اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔

الغرض یہ عجیب بات ہے کہ علامہ ابن کثیرؒ اور محقق تھانویؒ وغیرہ حضرات قرآن پاک کی جس آیت اور جس قصے سے اسباب عادیہ کے اختیار کرنے کا جواز استنباط کرتے ہیں اور اس کے خلاف توکل نہ ہونے کا استدلال فرماتے ہیں، اسی قصے سے دوسرے حضرات حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے غیر اللہ سے استعانت کرنے کا جُرم اور الزام لگاتے اور ان کا مستحق عتاب ہونا ذکر فرماتے ہیں، نعوذ باللہ۔

واقعہ یہ ہے کہ پیش نظر جوابات میں مولانا سعد صاحب کی حمایت میں جو نقول جمع کی گئی ہیں اولاً تو محقق تفسیر اور علمائے دیوبند کی تصریحات کے بالکل خلاف ہیں، اور ابن جریر اور بغوی کے حوالہ سے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ مردود اور ناقابل اعتبار ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

صاحب ''قصص القرآن'' حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی تحقیق

ہمارے علماء دیوبند جنہوں نے قرآن پاک میں ذکر کردہ واقعات کی کافی تحقیق کی ہے، اور پوری تحقیق کے بعد راجح قول اور راجح تفسیر ہی کو اختیار کرنے کا اہتمام والتزام کیا ہے۔ (مقدمہ قصص القرآن)

اور تمام علماء محققین اور علماء دیوبند وسہارنپور نے ان کی تحقیقات پر پورا اطمینان بھی کیا ہے انہوں نے یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے تحت جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ نہایت غور سے پڑھنے کے قابل ہے، مولانا نے جدید وقدیم مراجع کو بھی پیش نظر رکھا ہے، اور ابن جریر اور بغوی کی تفسیروں کو بھی سامنے رکھ کر اس کی پوری تحقیق فرمائی ہے، یقیناً ان کی تحقیق قابل اعتناء ہوگی، جو علامہ ابن کثیرؒ اور حضرت تھانویؒ کی تحقیق کے مطابق ہے۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت یوسف علیہ السلام جب تعبیر خواب سے فارغ ہو گئے تو ساقی سے یہ سمجھ کر کہ وہ نجات پا جائے گا فرمانے لگے '' أُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ'' اپنے بادشاہ سے میرا ذکر کرنا، ساقی جب رہا ہو گیا، تو اس کو اپنی مشغولیتوں میں کچھ بھی یاد نہیں رہا، کہ زندان میں کیا وعدہ کر آیا تھا، اور شیطان نے اس کے دماغ سے یہ سب بھلا دیا اور اس طرح چند سال تک یوسف علیہ السلام کو قید خانہ میں ہی رہنا پڑا۔

اس مقام پر اکثر مفسرین کی تفسیر کا ماحصل یہ ہے کہ '' أُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ'' سے یوسف علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ بادشاہ سے کہنا کہ ایک بے قصور اور بے گناہ انسان اس طرح مجرم بنا کر زندان میں ڈال دیا گیا ہے، اور اس تفسیر کے بعد وہ یہ نکتہ پیدا کرتے ہیں کہ اگرچہ مصائب اور ضرورت کے موقع پر انسان کا انسانوں سے مدد لینا اور استعانت طلب کرنا، حق کوشی اور خدا پرستی کے خلاف نہیں ہے، تاہم بمصداق ''حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ'' (نیکوں کی بعض بھلائیاں مقربین بارگاہ الٰہی کے شایان شان نہیں ہوتیں) حضرت یوسف علیہ السلام جیسی ہستی کے لئے یہ موزوں نہ تھا کہ وہ خدا پر بھروسہ کے ساتھ ساتھ دنیوی اسباب پر بھروسہ کریں اور بادشاہ سے اپنی مظلومیت کے دفاع کے طالب ہوں، اس لئے خدا کا فیصلہ یہ ٹھہرا کہ ان کو ابھی چند سال اور قید خانہ میں رکھے، اور ساقی کو شیطان نے ایسا بھلایا، کہ وہ یوسف علیہ السلام کا کچھ بھی ذکر نہ کر سکا۔

اور ابن جریر اور بغوی نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ ''فَأَنْسَاهُ'' کی ضمیر کو یوسف علیہ السلام کی جانب پھیرتے اور یہ مانا کرتے ہیں کہ شیطان نے یوسف علیہ السلام کو بھلا دیا کہ ان کا بادشاہ کی مدد کے لئے ساقی سے کہنا ناموزوں ہے، مگر ابن کثیرؒ نے اس کو سختی کے ساتھ رد کر دیا اور اس تفسیر کو غلط ثابت کیا ہے، آئندہ سطور میں توراۃ سے اس سلسلہ میں جو نقل کیا گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تفسیر کی بنیاد اس پر رکھی گئی ہے۔

اس تفسیر کے برعکس بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا کہ ایسا ایک شخص ہم کو اس طرح دینِ حق کی تلقین کرتا ہے، اور وہ اپنی ملت کو ہماری ملت سے جدا بتاتا، اور اس پر بہترین دلائل دیتا ہے۔

اور اس تفسیر کی صحت کے لئے قرینہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر قرآن میں یوسف علیہ السلام اور ان دو شخصوں کے درمیان صرف دو ہی باتوں کا تذکرہ پایا جاتا ہے، ایک دعوت وتبلیغِ اسلام کا اور دوسرے خواب اور اس کی تعبیر کا، تیسری کسی بات کا اشارہ تک نہیں، یعنی کسی اشارے اور کنایہ سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان ہر دو اشخاص کے سامنے اپنا قصّہ بیان کیا ہو، اور ان کی توجّہ اس طرف مبذول کرائی ہو، پھر بغیر ذکر سابق کے اس طرح '' أُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ''، میں اجمال کے کیا معنی؟

علاوہ ازیں اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے زندان سے باہر آنے کی طلب وجستجو کا یہ حال تھا تو جب ساقی کے یاد آنے اور بادشاہ کے خواب کی تعبیر دینے کے بعد بادشاہ نے ان کی رہائی کا حکم دے دیا، تو کیوں فوراً باہر نہ نکل آئے، اور تفتیش حال کا مطالبہ کیوں کیا؟ یہ تو رہائی کے بعد بھی ہو سکتی تھی، اور عصمت اور بے گناہی کا فیصلہ باہر آ کر بھی کیا جا سکتا تھا، آیات کی ترتیب وانسجام کے پیش نظر یہی تفسیر قابل ترجیح ہے۔

(قصص القرآن ص ۳۰۴، ج ۱)

حضرت مولانا زین العابدینؒ کی تحقیق

حضرت مولانا زین العابدینؒ کی مختصر مگر جامع اور محققانہ کتاب ''قصص القرآن''، جس کو علماء دیوبند کی نگرانی ہی میں لکھوایا اور طبع کرایا گیا ہے، جیسا کہ اس کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے، ان کی تحقیق بھی یہی ہے کہ شیطان کے بھلانے کا تعلق اس ساقی سے ہے نہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے، مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''یوسف علیہ السلام نے چھوٹنے والے سے کہا کہ بادشاہ کے پاس پہونچو، تو میری تعلیم وتبلیغ کا ذکر اس سے بھی کردینا، مگر یہ شخص اپنے مشاغل میں مصروف ہوکر بالکل بھول گیا۔ (قصص القرآن ص ۱۶۲)

فقیہِ وقت، فاضلِ دیوبند حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی تحقیق

محقق کبیر، مفسر قرآن، فاضل دیوبند حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم (خلیفہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کی ''آسان تفسیر'' جس کی تعریف وتحسین علماء دیوبند وندوہ سبھی نے کی ہے، اور اس پر اعتماد بھی کیا ہے، وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ عزیز مصر کے سامنے میرا تذکرہ بھی کردینا، مقصد یہ تھا کہ رہائی کا فیصلہ بھی ہوجائے، لیکن ایسا ہوتا ہے کہ جب انسان کسی مصیبت سے نجات پاتا ہے تو برے وقت کے ساتھیوں کو بھول جاتا ہے، چنانچہ یہی ہوا کہ شیطان نے اسے بھلا دیا، اور حضرت یوسف علیہ السلام کے مزید کئی سال جیل میں گزر گئے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ '' فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ'' سے مراد یہ ہے کہ شیطان نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس بات سے غافل کردیا کہ وہ اپنے پروردگار سے التجا کرتے، اس کے بجائے انہوں نے اس قیدی کو توجہ دلانے پر اکتفا کیا، اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی جاتی ہے، کہ آپؐ نے فرمایا: کاش! حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو یاد دلانے کی بات نہ کہی ہوتی تو ان کے قید کی مدت مزید دراز نہ ہوتی۔

لیکن صحیح تفسیر وہ ہے جس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے کہ ساقی عزیز مصر سے ذکر کرنا بھول گیا، یہی بات حضرت یوسف علیہ السلام کی شان کے مطابق ہے، اگر حضرت یوسف علیہ السلام خدا کی یاد سے غافل ہوجاتے تو آپ نے اپنے جیل کے رفقاء کو کیوں کر ایمان کی دعوت دی ہوتی؟

رہ گئی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت تو وہ حد درجہ ضعیف ہے، اس میں ایک راوی سفیان بن ذکی ہیں، جو ضعیف ہیں، دوسرے راوی ابراہیم بن یزید ہیں وہ ان سے بھی بڑھ کر ضعیف ہیں، اس لئے علامہ ابن کثیرؒ نے اس حدیث کو بہت ضعیف قرار دیا ہے، **وھذا الحدیث ضعیف جدّاً**۔ (ابن کثیر ص ۸۳، ج ۲)

بلکہ اسی واقعہ سے بعض مفسرین نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اللہ پر یقین کے ساتھ انسان کو ظاہری اسباب بھی اختیار کرنا چاہئے، حضرت یوسف علیہ السلام کو یقین تھا کہ نجات اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی سے حاصل ہوسکے گی، لیکن ظاہری سبب کے درجہ میں آپ نے اس ساقی کو یاد دہانی کی تاکید بھی فرمائی۔ (آسان تفسیر سورۂ یوسف، پ ۱۲، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ص ۷۰۳، ج ۱)

حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی مدظلہ کی تحقیق

دار العلوم ندوۃ العلماء کے مایہ ناز استاذ حدیث (عمید کلیۃ الدعوۃ والاعلام ندوۃ العلماء لکھنؤ) حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی دامت برکاتہم کی تحقیق بھی یہی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زیر بحث قصہ میں شیطان کے بھلانے اور غافل کرنے کا تعلق اس ساقی سے ہے نہ کہ

یوسف علیہ السلام سے، چنانچہ حضرت مولانا دامت برکاتہم اپنی تفسیر ''آخری وحی''میں تحریر فرماتے ہیں:

جس کے بارے میں انہیں معلوم تھا کہ ان دونوں میں سے وہ نجات پائے گا، اس سے انہوں نے کہا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا تذکرہ کردینا.... (لیکن) شیطان نے اس کو اپنے آقا کے سامنے ان کا تذکرہ کرنا بھلا دیا، اور وہ چند سال مزید جیل میں رہے۔ (آخری وحی سورہ یوسف ص ۴۶۶)

حضرت مولانا سید بلال حسنی ندوی مدظلہ کی تحقیق

حضرت مولانا سید بلال عبدالحئی حسنی ندوی دامت برکاتہم جن کے ترجمہ اور حواشی کی مولانا سعد صاحب نے بڑی تعریف فرمائی ہے، اور اس کو دیکھنے کی ترغیب بھی فرماتے ہیں، انہوں نے بھی اپنے حواشی میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کی تحقیق کے مطابق یہی تحریر فرمایا ہے کہ شیطان کے بھلانے کا تعلق اس ساقی سے ہے نہ کہ یوسف علیہ السلام سے، یعنی شیطان نے اس ساقی کو بھلا دیا چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''..... وہ پھر بادشاہ کا مصاحب بنے گا، اس سے انہوں نے کہا ذرا میرا تذکرہ کرنا، مگر شیطان نے اس کو بھلا دیا، اور حضرت یوسف علیہ السلام کو مزید کئی سال جیل میں رہنا پڑا، جب بادشاہ نے خواب دیکھا تو اس شخص کو حضرت یوسف علیہ السلام کی یاد آئی'' (سورہ یوسف ص ۴۱)

دوسری تفسیر کی بنیاد محض اسرائیلی روایت پر ہے، مولانا اسیرادروی صاحب کی تحقیق

معروف مصنف، صاحب قلم، جناب مولانا اسیرادروی صاحب جنہوں نے اپنی کتاب ''تفسیر میں اسرائیلی روایات'' میں یوسف علیہ السلام کے قصے کے اس گوشے سے متعلق عمدہ بحث کی ہے، وہ بھی بڑی محققانہ اور بصیرت افروز ہے، جو علامہ ابن کثیرؒ اور دیگر علماء محققین وعلماء دیوبند وندوہ کی تحقیق کی پوری ترجمانی کرتی ہے، موصوف اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس موقع پر قرآن کے الفاظ یہ ہیں:

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ أَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ. (پ۱۲، سورہ یوسف آیت ۴۲)

یعنی جس شخص کے رہا ہونے کی امید تھی اس سے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا، لیکن شیطان نے اس کو یہ بات فراموش کردی اور اس نے بادشاہ سے تذکرہ نہیں کیا جس کی وجہ سے ان کو مزید کچھ برس جیل میں گزارنے پڑے۔

قرآن نے سلسلہ واقعات میں اس پہلو کا بھی ذکر کیا ہے کہ ایک شخص جو عنقریب جیل سے رہائی پانے والا تھا اس سے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ جب رہائی پاکر جاؤ تو بادشاہ کو بتاؤ کہ وہ بے قصور جیل میں پڑے ہوئے ہیں، ہوسکتا ہے میری بھی رہائی ہوجائے اتفاق سے وہ شخص بادشاہ سے تذکرہ کرنا بھول گیا، جس کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو مزید کچھ سال اور جیل میں رہنا پڑا، صرف اتنا سا صاف ستھرا مفہوم ہے، اس میں کوئی پیچ وخم نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے جن روایتوں کا ذکر کیا ہے گویا وہ اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش کررہے ہیں جو اس واقعہ میں ان کے سوچنے کے مطابق ہے، اور ستم یہ ہے کہ ان روایتوں کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام پر ایک اور فردِ جرم عائد ہوتی ہے جب کہ قرآن کی یہ منشاء ہرگز نہیں ہے، قرآن نے ایک صاف اور واضح واقعہ کا ذکر کیا اور روایت گھڑنے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر استعانت بالغیر کا جرم عائد کردیا ہے، ان روایتوں کا منبع اور سرچشمہ یقیناً اسرائیلیات ہیں۔

ایک روایت میں ہے، مالک بن دینارؒ نے کہا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ساتھی سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کرنا تو خدا کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا گیا أاتخذت من دونی وکیلاً تم نے میرے علاوہ دوسرے کو کارساز اور مختار بنالیا؟ میں

تمہاری مدت قید کو یقیناً دراز کردوں گا، یہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام رونے لگے اور کہا یا رب الارباب! مصائب کی کثرت نے میرے دل پر غفلت طاری کردی اور میں ایسی بات کہہ گیا آئندہ کبھی ایسی بات نہیں کہوں گا۔

حسن بصری کی ایک روایت میں ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل خانہ میں آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے جبرئیل علیہ السلام کو پہچان کر کہا: **یا أخا المنذرین!** میں آج تم کو خطاکاروں کے درمیان دیکھ رہا ہوں، جبرئیل علیہ السلام نے کہا، ایسا نہ کہیئے، آپ طاہر ابن الطاہرین ہیں، رب العالمین آپ کو سلام کہتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ تمہیں مجھ سے شرم آئی اور تم نے انسانوں سے سفارش کرائی، پس میرے عزت وجلال کی قسم میں تمہیں ضرور کچھ سالوں تک جیل میں رکھوں گا، روایت کے الفاظ ہیں، **فھو عزتی وجلالی لألبثنک فی السجن بضع سنین**، حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا، کیا اس سزا دینے کے بعد وہ راضی ہوجائے گا؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا، ہاں، حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

کعب احبار کی روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا، اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ یوسف علیہ السلام سے پوچھو کہ تم کو کس نے پیدا کیا؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا، اللہ نے، کس نے تم کو تمہارے باپ کا محبوب بنایا؟ جواب دیا، اللہ نے، کس نے تم کو کنویں کی مصیبت سے نجات دلائی؟ جواب دیا، اللہ نے، کس نے تم کو تعبیر رؤیا کی تعلیم دی؟ جواب دیا، اللہ نے، کس نے تم کو زنا سے بچایا، کہا، اللہ نے، تب اللہ تعالیٰ نے کہا: تم نے اپنے ہی طرح کے ایک آدمی سے جیل کی رہائی کی کیوں سفارش کروائی؟ اسی وجہ سے ان کو کچھ سال اور جیل میں رہنا پڑا۔

یقینی طور پر ان روایتوں کا سرچشمہ اہل کتاب کی افترا پردازیاں ہیں جو ان میں مشہور تھیں، یہ روایتیں بتارہی ہیں کہ اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس لئے سزا دی کہ انہوں نے استعانت بغیر اللہ کا جرم کیا تھا، حالانکہ پورے قرآن میں کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے اور نہ کوئی ایسا جرم ہی حضرت یوسف علیہ السلام سے سرزد ہوا تھا، یہ ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اسی اسباب وعلل کی دنیا میں رہے جو اسباب ووسائل اس دنیا میں اختیار کئے جاتے ہیں، وہی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بے حقیقت الزام سے بری ہونے کے لئے اختیار کئے تھے، اس میں توکل علی اللہ کے خلاف کون سی بات ہے؟

انبیاء آزمائش میں مبتلا ہوتے رہے ہیں، لیکن یہ خداوند قدوس کی طرف سے سزا نہیں ہوتی، اس ابتلاء وآزمائش سے ان کے درجے بلند ہوتے ہیں اور جناب باری میں ان کا مقام اور تقرب بڑھتا ہے، حضور ﷺ سے صحیح حدیث منقول ہے، **أشد الناس بلاءً الأنبیاء ثم الأمثل فالأمثل**، سب سے زیادہ انبیاء آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد درجہ بہ درجہ لوگوں کی آزمائش ہوتی ہے۔

اس موقع پر ابن جریر نے ایک حدیث مرفوع کا بھی ذکر کیا ہے:

حدثنا ابن وکیع قال حدثنا عمرو بن محمد بن إبراھیم بن یزید عن عمرو بن دینار عن عکرمۃ عن ابن عباس مرفوعاً قال: قال النبی ﷺ: لو لم یقل یعنی یوسف الکلمۃ التی قال ما لبث فی السجن طول ما لبث حیث یبتغی الفرج من عند غیر اللہ. حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر یوسف علیہ السلام نے وہ بات نہ کہی ہوتی تو اتنی مدت تک جیل خانہ میں نہ رہے ہوتے، جب وہ نجات چاہ رہے تھے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اسرائیلی روایات کو نقل کرنے والے اپنی سند اور دلیل بنا سکتے تھے، لیکن بات یہ ہے کہ حدیث انتہائی ضعیف ہے جس سے احتجاج جائز نہیں ہے، حافظ ابن کثیرؒ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ **ھذا الحدیث ضعیف جداً**، اس روایت کا ایک راوی سفیان بن وکیع ضعیف ہے، دوسرا راوی ابراہیم بن یزید اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے، یہ روایت حسن اور قتادہ سے مرسل ہے اور اس مقام پر مرسل روایت قابل قبول نہیں ہوسکتی، بعض فقہاء نے مرسل روایتوں کو ضرور حجت بنایا ہے، مگر اس طرح کے موقعوں پر کہ جہاں کسی نبی کی توہین ہوتی ہے یا

ان پر کوئی الزام عائد ہوتا ہے تو مرسل روایات حجت نہیں ہوتی، اس لئے یہ روایت قطعی طور پر نظر انداز کر دی جائے گی۔

(تفسیر میں اسرائیلی روایات ص ۲۱۶ تا ۲۲۰)

اسرائیلی روایات کے نقل کرنے میں احتیاط کی ضرورت

یوسف علیہ السلام کے قصے کی بعض مرویات وہب بن منبہ سے بھی مروی ہیں، جو کثرت سے اسرائیلی روایات بھی نقل کرتے ہیں، ان کے متعلق شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

''دوسرے بزرگ جن سے بکثرت اسرائیلی روایات منقول ہیں، وہب بن منبہ ہیں..... حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

وہ ثقہ اور سچے تھے اور اسرائیلی کتابوں سے بکثرت نقل کرتے تھے..... زمانۂ ماضی کے جو قصّے اور زمانۂ آئندہ کی جو خبریں انہوں نے بغیر کسی حوالے کے بیان کی ہیں، وہ زیادہ تر اسرائیلی روایات ہیں، جن کے بارے میں ہمیں حکم یہ ہے کہ ہم نہ ان کی تصدیق کریں اور نہ تکذیب۔

کعب الاحبار اور وہب بن منبہ تو تابعین میں سے ہیں اور سب سے زیادہ اسرائیلی روایات انہی سے مروی ہیں۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ ان کی (کعب الاحبار کی) بیشتر روایات اسرائیلی روایات ہیں، لہٰذا جب تک ان کی تصدیق خارجی دلائل سے نہ ہو جائے اس وقت تک ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ (علوم القرآن ص ۳۴۹، ۳۵۱)

علماء محققین اور محتاط محدثین نے اس نوع کے واقعات اور روایتوں کو بیان کرنے سے بھی سختی سے منع فرمایا ہے، حضرت امام مالکؒ اور دوسرے حضرات اس نوع کی بہت سی روایتوں کو ترک فرما دیا کرتے تھے، اور اسرائیلیات کے نقل کرنے سے بہت اجتناب فرماتے تھے۔

وقد كان مالک یترک أحادیث کثیرة لکونها لا یؤخذ بها ولم یترکها غیره ......قال الخطیب ویجتنب ایضاً فی روایته للعوام أحادیث الرخص وما شجر بین الصحابة والإسرائیلیات. (فتح الملہم ص ۱۴۱، ج ۱)

نیز ایسے علمی وفنی مباحث اور دقیق مسائل جو لوگوں کے لئے مغالطہ میں پڑنے کا یا بحث ومباحثہ اور مجادلۃ کا ذریعہ بنیں، رسول اللہ ﷺ نے تو ایسی باتوں کے بیان کرنے سے منع فرمایا ہے، گو وہ فی نفسہ صحیح ہی کیوں نہ ہوں، چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں ''**نهی عن الاغلوطات**'' اور ابو داؤد شریف کی روایت میں ہے ''**نهی عن الغلوطات**'' (ابوداؤد، بذل ص ۳۳۶، ج ۴)

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ایسے سوالات اور ایسی باتیں مت بیان کرو جس سے لوگ مغالطہ میں پڑیں، پھر جب کہ وہ باتیں ضعیف اور مردود بھی ہوں تو کیونکر ایسی باتوں کے بیان کرنے کی اجازت ہو سکتی ہے۔

حضرت ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: **أی عن سوال المسائل التي یغالط بها العلماء لإشکال فیها لما فیها من إیذاء المسئول وإظهار فضل السائل، قال في الأشهار النهی للتحریم إذا کان إبتداءً لأنه سبب الإیذاء والإیذاء حرام وتهیج للفتنة والعداوة، وفیه اظهار فضل النفس ونقص الغیر.** (مرقاۃ ص ۴۵۹، ج ۱)

علامہ مناویؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: **أی ما یغالط به العالم من المسائل المشکلة لتشوش فکره.....قال الأوزاعي إذا أراد الله أن یحرم عبده برکة العلم ألقیٰ علی لسانه المغالیط.** (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ص ۳۹۱، ج ۶)

علماء محققین ومفسرین کی تصریحات کا خلاصہ

ماقبل میں ذکر کردہ علمائے متقدمین ومتاخرین، نیز علماء دیوبند وندوہ کی تحقیقات وتصریحات سامنے ہیں، جن سے واضح طور پر مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

(۱) پیش نظر قصہ میں حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہرگز غافل نہیں ہوئے تھے، نہ ہی شیطان نے آپ کو بھلایا تھا۔

(۲) شیطان کے بھلانے اور غفلت میں ڈالنے کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف ہرگز صحیح نہیں ہے، بلکہ شیطان نے اس ساقی کو جوجیل سے رہائی پاکر بادشاہ کے پاس گیا تھا، اس کو یوسف علیہ السلام کا تذکرہ کرنے سے بھلا دیا تھا۔

(۳) حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور قاضی زین العابدین صاحبؒ کی تحقیق کے مطابق تو" أذکُرنِی عِندَ رَبِّکَ" کا مطلب ہی یہی ہے کہ میرے اس عقیدۂ توحید اور میری دعوت وتبلیغ اور میری سیرت وکردار کا تذکرہ بادشاہ کے سامنے کردینا۔

(۴) مذکورہ بالا تمام محققین کے نزدیک چونکہ شیطان کے بھلانے کی نسبت اور اس کا مصداق ساقی ہے نہ کہ یوسف علیہ السلام، اس لئے یوسف علیہ السلام کا مزید جیل میں رہنا اس ساقی کے اتفاقی نسیان کی وجہ سے تھا نہ کہ منجانب اللہ عتاب وعقاب کی وجہ سے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔

(۵) علامہ ابن کثیرؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ، مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا سید بلال حسنی وغیرہم کی تحقیق کے مطابق یوسف علیہ السلام کا ساقی سے یہ کہنا کہ بادشاہ سے میرا تذکرہ کردینا، یہ ہرگز شان نبوت کے اور کمال توکل کے منافی نہ تھا، بلکہ آپ کا یہ طرز عمل خود اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ پر بھروسہ رکھنے کے ساتھ اسباب عادیہ کا استعمال کرنا، خواص کے لئے بھی تقویٰ وتوکل کے اعلیٰ مقام کے بھی منافی نہیں ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے بھی بہت سے موقعوں پر ایسے اسباب کا اختیار کرنا اور اسباب کے درجہ میں غیر اللہ سے استعانت کرنا بھی ثابت ہے، اگر اس کو بھی خلاف توکل کہا جائے گا تو نعوذ باللہ رسول پاک ﷺ پر بھی اعتراض لازم آئے گا۔

اسباب کے درجہ میں بظاہر غیر اللہ سے استعانت حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے
مفسر قرآن علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی تحقیق

وجہ اس کی یہ ہے کہ اسباب کے درجہ میں غیر اللہ یہ ظاہری استعانت بھی حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہوتی ہے، اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سے بھی اس کا صدور رہوا، اس حقیقت کو علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے سورہ فاتحہ میں إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينَ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ، اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک سے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے، ہاں اگر کسی مقبول بندے کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے، کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔ (تفسیر عثمانی سورہ فاتحہ ص۲)

فائدہ: اس نوع کی اعانت واستعانت جس میں مدد کرنے یا چاہنے یا نفع وضرر کی نسبت بندہ کی طرف مجازاً کی جائے خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے بھی ثابت ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) بخاری ومسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت موجود ہے کہ وہ سخت بیماری اور تکلیف کی حالت میں تھے، رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اس وقت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے مایوس کن الفاظ ارشاد فرمائے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لعلّک تخلّف حتیٰ ینفع بک أقوام ویضرّ بک آخرون.

(بخاری شریف کتاب الجنائز، مسلم شریف باب الوصیۃ بالثلث حدیث ۴۱۸۵، فتح الملہم ص ۹۴، ج ۸)

کہ شاید تم زندہ رہو اور تمہارے ذریعہ بعض قوموں کو نفع پہنچے اور بعض قوموں کو ضرر پہنچے۔

(۲) مسلم شریف کی کتاب الایمان میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت موجود ہے کہ آخری وقت گویا جاں کنی کے عالم میں ان کی عیادت کے لئے جب حضرت صنابحیؒ حاضر ہوئے تو وہ رونے لگے، ان کو روتا ہوا دیکھ کر حضرت عبادہ بن صامتؓ نے فرمایا: لم تبکی؟ روتے کیوں ہو؟ (روزِ قیامت میں) اگر سفارش کرنے یا شہادت دینے کا موقع آیا تو میں آپ کی سفارش کروں گا، اور آپ کے حق میں شہادت بھی دوں گا، اگر نفع پہنچانے کا موقع آیا تو میں آپ کو نفع پہنچاؤں گا، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن الصنابحی عن عبادة بن الصامت أنه قال: دخلت عليه وهو في الموت، فبكيتُ فقال: مهلاً لم تبكی؟ فوالله لئن استشهدت لأشهدنك، ولئن شفعت لأشفعن لك، ولئن استطعت لأنفعنّك.

(مسلم شریف، کتاب الایمان حدیث ۱۴۱، فتح الملہم ص ۵۳۹، ج ۱)

صحابی کا یہ فرمانا: لأنفعنّك کہ میں آپ کو نفع پہنچاؤں گا، بظاہر آیت ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' اور مندرجہ ذیل حدیث کے خلاف ہے جس میں آپ نے غیر اللہ سے سوال و استعانت سے تاکید سے منع فرمایا ہے، وہ حدیث یہ ہے:

عن ابن عباس قال كنت خلف النبي ﷺ يوماً فقال يا غلام إني أعلملك كلمات.....إذا سألت فأسئل الله وإذا استعنت فاستعن بالله، وأعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعك بشئى لم ينفعوك إلا بشئى قد كتبه الله لك الخ.

(ترمذی شریف ابواب صفۃ القیامۃ باب ۲۲ حدیث ۲۶۳۵)

لیکن اصل بات یہی ہے کہ اسباب کے درجہ میں غیر اللہ سے استمداد کرنا استعانت کرنا اور اسباب کے درجہ میں اعانت کرنا اور نفع حاصل کرنے اور پہنچانے کی مخلوق کی طرف مجازاً نسبت کردینا نہ یہ عقیدۂ توحید کے خلاف ہے نہ ہی تقویٰ و توکل کے منافی ہے، ورنہ صحابہ سے اس کا صدور نہ ہوتا۔

(۳) مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ تشریف لئے جا رہے تھے تو اس وقت ایک کافر جس کی قوت و بہادری کا بڑا شہرہ تھا وہ رسول اللہ ﷺ سے آکر ملا، اور عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ آپ کی پیروی میں قتال کے لئے حاضر ہوا ہوں، صحابہ کرام کو اس سے بڑی خوشی ہوئی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے صاف فرمادیا: "فارجع فلن أستعين بمشرك"، تم واپس جاؤ میں کسی کافر سے استعانت نہیں کرتا (یعنی اگر تم ایمان والے ہوتے تو میں تمہاری اعانت قبول کرلیتا) اس نے پھر پیشکش کی، آپ نے پھر وہی سوال دہرایا، اور آپ نے پھر وہی بات فرمائی، پھر تیسری مرتبہ وہ مقام بیداء میں آکر آپ سے ملا، آپ نے پھر وہی سوال کیا، اس نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا، آپ نے فرمایا، تو پھر اب چلو ساتھ، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

خرج رسول الله ﷺ قبل بدر، فلما كان بحرة الوبرة أدركه رجل قد كان يذكر من جرأة ونجدة ففرح أصحاب رسول الله ﷺ حين رأوه، فلما أدركه قال لرسول الله ﷺ جئتك لأتبعك وأصيب معك، قال له رسول الله ﷺ: تؤمن بالله ورسوله؟ قال: لا، قال: "فارجع فلن أستعين بمشرك" الخ.

(مسلم شریف، باب كراهة الاستعانة في الغزو بكافر، حدیث ۴۶۷۷)

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے موقع پر غیر مسلم سے استعانت یعنی مدد لینے پر آپ تیار نہ ہوئے، البتہ مسلم سے استعانت کو آپ نے گوارہ فرمالیا، چنانچہ اسی قصہ میں جب وہ شخص اسلام لے آیا، تو آپ نے اس کی اعانت کو قبول فرمالیا، جبکہ بعض دوسرے موقعوں میں خاص حالات کے پیش نظر غیر مسلم سے بھی آپ کا استعانت کرنا ثابت ہے، چنانچہ ایک روایت ہے:

أن النبیﷺ استعان بناس من الیھود في خیبر في حربه فأسھم لھم. (رواہ ابوداوٗد فی مراسیلہ عن الزہری)

وبما روی عنهﷺ أنه استعان بصفوان بن أمیة. (فتح الملہم ص۲۲۲، ج۹)

ہمارے فقہاء نے بھی خاص شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔

قال السرخسي: ولا بأس بأن یستعین المسلمون بأھل الشرک علی أھل الشرک، إذا کان حکم الإسلام ھو الظاھر علیھم، لأن رسول اللهﷺ استعان بیھود قینقاع علی بنی قریظه، وخرج صفوان مع النبیﷺ حتی شھد حنیناً والطائف وھو مشرک، فعرفنا أنه لا بأس بالإستعانة به. (مبسوط سرخسی ص۱۸۶، ج۳، فتح الملہم ص۲۲۲، ج۹)

مذکورہ بالا روایات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اسباب کے درجہ میں غیر اللہ سے استعانت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، خواہ وہ کوئی بھی ہو، نہ یہ تقویٰ وتوحید اور توکل کے خلاف ہے، اور نہ ہی شانِ نبوت وولایت کے منافی ہے، ورنہ رسول اللہﷺ سے اس کا صدور نہ ہوتا۔

(۴) یہی وجہ ہے کہ اسباب ہی کے درجہ میں رسول اللہﷺ نے بھی بعض غزوات میں مثلاً غزوۂ حنین میں صحابہ کرام کو استعانت کے لئے پُکارا، چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے:

قال: فنادی یومئذ ندائین لم یخلط بینھما شیئاً قال التفت عن یمینه فقال: یا معشر الأنصار .....ثم التفت عن یسارہ فقال یا معشر الأنصار. (مسلم شریف باب اعطاء المؤلفة ص۳۳۸، ج۱)

قال رسول اللهﷺ أی عباس ناد أصحاب السمرة فقال عباس وکان رجلاً صیّتاً فقلت باعلیٰ صوتی أین أصحاب السمرة......ثم قصرت الدعوة علی بنی الحارث بن الخزرج. الخ (مسلم شریف، باب غزوۃ الحنین ص۱۰۰، ج۲)

(۵) اسباب کے درجہ میں غیر اللہ سے استعانت کرنا یعنی مدد طلب کرنا تو قرآن پاک سے بھی ثابت ہے، چنانچہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے مدد مانگی تھی، ارشادِ خداوندی ہے:

فأعینونی بقوة أجعل بینکم وبینھم ردماً آتونی زبر الحدید. (سورۂ کہف پ۱۶)

ترجمہ: سو ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان میں خوب مضبوط دیوار بنادوں، تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ۔

اس آیت کے تحت علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: قال ذو القرنین: الذي أنا فیه خیر من الذی تبذلونه ولکن ساعدونی بقوة أی بعملکم وآلات البناء. (سورۂ کہف پ۱۶، ص۱۰۴، ج۳)

اور اسی آیت کے تحت تفسیرِ قرطبی میں ہے:

قال: (ای ذوالقرنین) لست أحتاج إلیه وإنما أحتاج إلیکم فأعینونی بقوة أی أخدموا بأنفسکم معی .....لکن أعینونی بقوة الأبدان أی برجال وعمل منکم بالأبدان. (تفسیر قرطبی سورۂ کہف پ۱۶، ص۴۰، ج۱۱)

(۶) ایک اور مثال لیجئے! مسلم شریف کی روایت میں موجود ہے حضرت علیؓ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں مالِ غنیمت سے مجھے ایک اونٹنی ملی اور دوسری اونٹنی رسول اللہﷺ نے مجھے عنایت فرمائی، اور یہ وہی زمانہ تھا جب کہ حضرت فاطمہؓ سے ان کا نکاح ہو چکا تھا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں اس کوشش میں تھا کہ ان اونٹنیوں میں اذخر (ایک قیمتی گھاس) لاکر اس کے ذریعہ کاروبار کروں گا، اور اس سلسلہ میں بنوقینقاع کے اپنے ایک سُنار ساتھی سے استعانت کی، تاکہ حضرت فاطمہؓ کا شاندار ولیمہ کرسکوں، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

وأنا أرید أن أحمل علیھما إذخراً لأبیعه ومعی صائغ من بنی قینقاع فاستعین به علی ولیمة فاطمة.

وفي روایة آخر: واعدت رجلاً صواغاً من بني قینقاع یرتحل معی فنأتي بإذخر أردت ان أبیعه من الصوّاغین فاستعین به في ولیمة عرسی. (مسلم شریف، کتاب الاشربہ، حدیث ۵۰۹۹، ۵۱۰۱، فتح الملہم ص۴۹۲، ۴۹۴ ج۹)

مذکورہ روایت میں الفاظ: ''فاستعین بہ'' قابل غور ہیں، حضرت علیؓ فرمارہے ہیں کہ میں نے اس سلسلہ میں اپنے ساتھی سے استعانت کی، تو کیا یہاں پر کوئی اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے غیر اللہ سے استعانت کی، توکل اور تقویٰ کے خلاف کام کیا، رسولِ پاک ﷺ کے فرمان: إذا استعنت فاستعن بالله کے خلاف آپ نے غیر اللہ سے استعانت کی؟ لیکن آج تک کسی محدث، کسی فقیہ و مجتہد نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ حضرت علیؓ نے غیر اللہ سے استعانت کیوں کی؟ کیونکہ اسباب کے درجہ میں غیر اللہ سے استعانت اور ضرورت کا اظہار نہ یہ شرک ہے نہ ایمان اور توکل کے خلاف ہے، اور نہ ہی اللہ کی ناراضگی کا ذریعہ ہے۔

الغرض مذکورہ بالا نصوص سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اسباب کے درجہ میں ذوالقرنین نیز نبی کریم ﷺ اور اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت علیؓ نے بھی ضرورت کے وقت غیر اللہ سے اپنی احتیاج ظاہر کی اور استعانت کی، تو کیا ان سب کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام نے نعوذ باللہ توحید و تقویٰ اور توکل کے خلاف کام کیا؟ حاشا وکلا۔

پھر کیوں کر اسباب کے درجہ میں غیر اللہ کی طرف استعانت اور نفع پہنچانے کی نسبت کرنے کو خلافِ توحید و توکل قرار دیا جاسکتا ہے؟

(۷) مسلم شریف و ابوداؤد کی روایت میں ربیعہ بن کعب اسلمی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رات گزاری اور آپ کے وضو کے لئے پانی رکھا، تو آپ نے خوش ہوکر فرمایا: سلني! یعنی مانگو کیا مانگتے ہو، انہوں نے عرض کیا جنت میں آپ کی رفاقت، آپ نے فرمایا اس کے علاوہ کچھ اور؟ عرض کیا نہیں، بس یہی، آپ نے فرمایا تو پھر میری مدد کرو سجدوں کی کثرت سے، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ربیعه بن کعب الأسلمي: کنت أبیت مع النبي ﷺ، بوَضوئه وبحاجته، فقال لي: سلني! قلت: فإني أسألک مرافقتک في الجنة، فقال: أو غیر ذلک؟ قلت: هو ذاک، قال: فأعني علیٰ نفسک بکثرة السجود.

(رواہ مسلم ۱/۱۹۳، حدیث ۴۸۹ ورواہ ابوداؤد فی ابواب قیام اللیل، حدیث ۱۳۲، ۱/۱۸۷، جامع الاصول، حدیث ۷۰۵۲، جمع الفوائد، حدیث ۱۷۱۱، ۱/۳۷۸)

اس روایت میں سلني اور أعني دونوں ہی قابل غور ہیں، یعنی آپ کا فرمانا کہ مانگو مجھ سے کیا مانگتے ہو، پھر آپ کا یہ کہنا کہ میری مدد کرو، یہ سب بھی اسباب ہی کے درجہ میں ہے، اس لئے قابل اعتراض نہیں ہوسکتا۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دینی و ایمانی امور میں بھی اسباب کے درجہ میں غیر اللہ سے سوال اور اعانت و استعانت خلافِ شرع اور توکل و تقویٰ کے اعلیٰ مقام کے منافی نہیں، ورنہ آپ کی ذات سے اس کا صدور نہ ہوتا۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بھی اچھی طرح واضح ہوگیا کہ مفسّرِ قرآن حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ غلط نہیں ہے، جیسا کہ بعض علماء عرب کو بھی دھوکہ ہوگیا اور محض اس بناء پر ان کی تفسیر کی نشر و اشاعت پر پابندی عائد کردی، اور اگر یہ قابل اعتراض ہے تو پھر صحابہ کرام پر بھی اعتراض لازم آئے گا، یہ توغلو في الدین اور غلو في العقیدة کے مرادف ہوگا، واللہ اعلم۔

کاش علماءِ عرب تک بھی کوئی یہ باتیں پہنچادے جنہوں نے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر پر پابندی عائد کررکھی ہے، اور اگر یہ ذکر کردہ مضمون صحیح ہے تو اس پابندی کو ختم کرکے اس کی تلافی کی کوشش کرنا چاہئے، واللہ اعلم۔

علمائے محققین کی تصریحات کی روشنی میں مولانا سعد صاحب کے بیان کا جائزہ

اکابر علماء دیوبند کی مذکورہ بالا تحقیقات اور واضح تصریحات سے معلوم ہوگیا کہ مولانا سعد صاحب نے اپنی تقریر میں یوسف علیہ السلام کے تعلق سے جو یہ بات فرمائی کہ:

''...... یوسف علیہ السلام بڑے سخت حالات میں تھے، تہمت لگی تھی عزیزِ مصر کے گھر سے اور بہت سخت حالات تھے، لیکن دو چیزیں اللہ

دیکھنا چاہتے ہیں داعی سے، ایک تو یہ کہ حالات میں آ کر ہمارے غیر سے مطالبہ تو نہیں کرتا، ایک یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات سے متاثر ہو کر دعوت الی اللہ چھوڑ تو نہیں دیتا، ایک یہ دیکھتے ہیں اللہ انبیاء علیہم السلام کو کہ یہ حالات سے پریشان ہو کر ہمارے غیر سے مدد تو نہیں چاہتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پھر یوسف نے پھران کو ان کے خواب کی تعبیر بھی بتلادی اور یہ خیال ہوا کہ ان میں سے ایک آدمی جیل سے رہا ہو کر اور باعزت بری ہو کر بادشاہ کے پاس جائے گا لہٰذا بادشاہ کے پاس یہ پیغام پہونچادوں (سنو دھیان سے) کہ یوسف علیہ السلام اتنے عرصہ سے جیل میں ہے کچھ اس کے مقدمہ پر غور کرلیا جائے اور اس کو جیل سے رہا کر دیا جائے اللہ کی شان یوسف علیہ السلام کو شیطان نے اللہ کی یاد بھلادی، یوسف علیہ السلام کو شیطان نے اللہ کی یاد بھلادی، یوسف علیہ السلام کو شیطان نے اللہ کی یاد بھلادی کہ یوسف علیہ السلام نے جیل سے نکلنے کے لئے ہم سے کیوں نہیں کہا؟

یوسف علیہ السلام نے رہا ہونے والے سے فرمایا: ''أذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّکَ '' کہ میرا تذکرہ کردینا بادشاہ کے سامنے ''فَأنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهٖ '' شیطان نے یوسف علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے رب کی یاد بھلادی اس کے بعد یوسف علیہ السلام عرصہ تک جیل میں رہے''

(ماخوذ از: بے علمی کی گفتگو ص ۱،۲)

مولانا سعد صاحب کی یہ باتیں علماء محققین علامہ ابن کثیرؒ حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ، قاضی زین العابدین صاحبؒ، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا سید سلمان الحسینی ندوی، مولانا سید بلال حسنی ندوی اور دیگر علماء محققین، علماء دیوبند وندوہ کے تصریحات کے یقیناً خلاف ہیں، اس لئے غلط اور مردود ہیں۔

نہایت آسان فیصلہ

ماقبل میں ذکر کردہ دونوں تفسیروں میں سے کس تفسیر کو صحیح اور قابل اعتماد قرار دینا چاہئے یعنی ایک تفسیر تو وہ جس میں یوسف علیہ السلام پر غیر اللہ سے استعانت کا الزام عائد ہوتا ہے، یہ تفسیر حضرات اہل تبلیغ کے لئے اعتماد اور بیان کے قابل ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ نہایت آسانی سے اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ حضرات اہل تبلیغ اور مرکز نظام الدین کے ذمہ دار اور سرپرست چونکہ خود ہی اکابر علماء دیوبند کی تحقیق کے اتباع کے پابند ہیں، اور علماء دیوبند ہی کی تحقیق واتباع کا انہوں نے اہتمام والتزام بھی کیا ہے، نیز لاکھوں کے مجمع میں اس بات کا اقرار ودعویٰ بھی کیا ہے کہ جو مسلک ومشرب اکابر علماء دیوبند وسہارنپور کا ہے وہی احقر کا بھی ہے، اس طرح کی تحقیقات کے مواقع میں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے علماء دیوبند کی ہی تحقیق کی اتباع کی جائے اور دوسروں کو بھی مولانا نے اس کی ہدایت کی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قصّہ سے متعلق بھی اعتماد اور بیان کے لئے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اس سلسلہ میں علماء دیوبند نے کس بات کو صحیح سمجھ کر اختیار کیا؟ اور اس بابت ان کا کیا موقف ہے؟ جس بات کو اکابر علماء دیوبند نے اب تک اختیار کیا، ان ہی کے نقش قدم پر ہم کو بھی چلنا چاہئے، اور ان ہی باتوں کو بیان کرنا چاہئے، اس کے علاوہ بیان سے پرہیز کرنا چاہئے، اور جو کچھ اب تک بیان کیا جاچکا ہے اس کی تلافی وتدارک کی فکر کرنی چاہئے۔

خلاصۂ کلام

(یہ مضمون بعد میں اضافہ کیا گیا ہے)

(۱) سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے تعلق سے مولانا محمد سعد صاحب نے جو کچھ بیان فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ داعی سے دو چیزیں دیکھنا چاہتے ہیں: ایک یہ دیکھتے ہیں اللہ، انبیاء علیہم السلام کو کہ یہ حالات سے پریشان ہو کر ہمارے غیر سے مدد تو نہیں چاہتے؟ دوسرے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات سے متأثر ہو کر دعوت الی اللہ کا عمل چھوڑ تو نہیں دیتے''

پھر اسی سیاق میں مولانا محمد سعد صاحب کا حضرت یوسف علیہ السلام کو اس بات کا مورد الزام قرار دینا کہ:

(الف) شیطان نے یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا، یعنی بھلا دیا، جس کے نتیجہ میں:

(ب) یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے مدد چاہی، جس کی پاداش میں:

(ج) بطور عتاب کے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک لمبی مدت تک جیل میں رہنا پڑا۔

مولانا سعد صاحب کی یہ باتیں جمہور مفسرین، معتمد کتب تفسیر، علامہ ابن کثیرؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ نیز دیگر علمائے دیوبند وندوہ کی تحقیقات وتصریحات کے بالکل خلاف ہیں، اس لئے مردود اور ناقابل اعتبار ہیں۔

(۲) مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی کی حمایت اور دفاع میں جو ضعیف، رکیک، ناقابل اعتبار نقول جمع کی گئی ہیں وہ بھی جمہور مفسرین اور علمائے دیوبند کی تصریحات کے خلاف ہیں، اس لئے ناقابل التفات اور کالعدم ہیں۔

(۳) خود مولانا سعد صاحب اپنے رجوع ناموں کی تحریر میں نیز بھوپال کے اجتماع میں لاکھوں کے مجمع میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ:

''ہمارا کوئی مذہب یا کوئی الگ طریقہ نہیں ہے، ہم اہل سنت والجماعت ہیں: دیوبند اور اہل دیوبند، ان کا مسلک ہی ہمارا مسلک ہے، دیوبند اور اہل دیوبند کا مسلک ہی ہمارا مسلک ہے، ذرہ برابر دین و دنیا کے کسی شعبہ میں اپنی رائے قائم کرنا اس کا کوئی تصور نہ کیا گیا ہے نہ کیا جا سکتا ہے''

نیز اپنے بعض رجوع ناموں میں مولانا سعد صاحب واضح طور پر تحریر فرماتے ہیں:

''احقر بغیر کسی تردد وتأمل کے صاف لفظوں میں اپنا موقف واضح کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ احقر الحمدللہ اپنے تمام اکابر ومشائخ علماء دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور کے موقف، اور اپنی جماعت کے اکابر حضرت مولانا محمد یوسف اور حضرت مولانا انعام الحسن کے مسلک ومشرب پر قائم ہے، اور اس سے ایک ذرہ انحراف کو بھی پسند نہیں کرتا، بندہ کو علماء دارالعلوم دیوبند پر مکمل اعتماد ہے'' (رجوع نامہ کی سب سے پہلی تحریر اور آخری تحریر، ماخوذ از سعادت نامہ ص ۱۱ و ۲۵)

نیز ککریل بنگلہ دیش کے مرکز میں محدود لوگوں کے سامنے بیان فرمایا:

''انبیاء علیہم السلام کے متعلق ایسی بات بیان کرنا جس سے ان پر حرف آتا ہے، اس سے اجتناب ہم کو بھی کرنا چاہئے اور آپ لوگوں کو بھی کرنا چاہئے، ان کو بیان نہیں کرنا چاہئے، علماء اس کی اصلاح فرمائیں گے، اس کے بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے، آپ حضرات کو بھی اس سے احتیاط کرنا چاہئے''

نیز ایک موقع پر بیان فرمایا کہ:

''ہم کوئی مستقل جماعت نہیں اور ہمارا کوئی الگ مسلک نہیں، ہمارا کوئی علٰحدہ منشور نہیں، ہمارا مسلک ومشرب وہی ہے جو علماء دیوبند وسہارنپور کا ہے، درسِ تفسیر وغیرہ کے متعلق بس یہ دیکھ لو کہ وہ مسلک دیوبند سے منسلک اور وابستہ ہے یا نہیں''

''علمائے دیوبند سے ہٹ کر کوئی رائے قائم کرنا گمراہی اور فتنہ کا سبب ہے''

اس لئے مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی کے ان واضح اعلانات اور رجوع کے بعد ان کی ہدایت کے خلاف ان کی حمایت اور دفاع کی غرض سے جواب لکھنے کی کوشش کرنا ایک لاحاصل کوشش اور غیر مفید کام ہے۔

(۴) محترم جناب مولانا محمد سعد صاحب سے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق غلط باتیں بیان ہوئی ہیں پھر انہوں نے اس سے واضح طور پر بلا تاویل رجوع بھی فرمایا، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق بھی انہوں نے بہت سی غلط باتیں بیان کیں، احقر کی معلومات کے مطابق ان سے مولانا سعد صاحب نے کسی بھی تقریر یا تحریر میں عام یا خاص مجمع کے سامنے اجمال وابہام کے ساتھ بھی اب تک رجوع نہیں کیا، جو کچھ رجوع کیا ہے وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے ہے، لیکن چونکہ مختلف موقعوں میں واضح طور پر مولانا سعد صاحب نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو مسلک ومشرب علمائے دیوبند کا ہے وہی میرا بھی ہے، ان سے ہٹ کر رائے قائم کرنا گمراہی اور فتنہ کا سبب ہے، اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ اتنے واضح حقائق ودلائل اور علمائے دیوبند وندوہ کی اتنی واضح تصریحات کے بعد بھی یوسف علیہ السلام کے تعلق سے بھی انشاءاللہ مولانا آئندہ ایسی باتیں بیان نہیں کریں گے اور جو کچھ بیان کر چکے ہیں مختلف مجامع میں انشاءاللہ اس کی تلافی اور رجوع کا اعلان بھی کریں گے۔

(۵) حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مظاہری (ناظم مظاہر علوم سہارنپور) ہمارے بزرگوں اور اکابر علماء میں سے ہیں، ان کی حق گوئی وحق پرستی کا تجربہ احقر کو اس وقت ہو چکا تھا جب کہ احقر نے باندہ ہتورا کے اجتماع میں ہونے والی مولانا سعد صاحب کی بعض غلط باتوں کے متعلق حضرت مولانا دامت برکاتہم سے تذکرہ کیا، اور ایک مفصل تحریر میں وہ باتیں حضرت کی خدمت میں پیش کیں (جس کا تذکرہ ''انکشافِ حقیقت'' میں کیا جا چکا ہے) اس کے جواب میں مولانا نے واضح طور پر فرمایا کہ تمہاری یہ باتیں صحیح ہیں، ان کو لکھ کر بھیج دو، میں بھی ان کو توجہ دلاتا رہتا ہوں،

وفقنا اللّٰه إيانا وإياهم لما يحب ويرضىٰ.....

اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ اس پورے مضمون میں جو حضرت مولانا محمد سلمان صاحب کی زیر نگرانی مولانا سعد صاحب کی بیان کردہ غلط باتوں کی حمایت میں لکھا گیا ہے جس میں بہت سی رکیک اور مردود، نا قابل اعتبار عبارتیں بھی جمع کر دی گئی ہیں، چونکہ حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مظاہری دامت برکاتہم کا یہ خاص موضوع نہیں ہے، اور انتظامی امور کی وجہ سے حضرت مولانا کو تحقیق کی زیادہ فرصت بھی نہیں، چنانچہ اپنے اِن مقالات کو حضرت مولانا کی خدمت میں بھیجنے کے ایک عرصہ کے بعد احقر نے جب حضرت مولانا سے موبائل سے اس کے متعلق گفتگو کی تو حضرت نے یہی عذر بیان فرمایا کہ انتظامی امور کی وجہ سے غور سے دیکھنے کی فرصت نہیں مل سکی۔

اس لئے ان جوابات میں محض نقول وکتب تفسیر کے حوالوں کو دیکھ کر مولانا نے اس کو کافی سمجھ لیا، حالانکہ فنی اعتبار سے وہ نا قابل اعتبار ہیں، اس لئے اس سلسلہ میں ہم مولانا کو معذور سمجھتے ہیں، مولانا تو اہل حق اور کبارِ علماء میں سے ہیں، نیز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے تربیت یافتہ ہیں، ہم ان کا ادب واحترام کرتے ہیں اور انشاءاللہ ہمیشہ کرتے رہیں گے، دوسرے حضرات جنہوں نے جواب مرتب کرنے میں اس نوع کی ضعیف عبارتیں جمع کی ہیں، غالبًا جلد بازی کی وجہ سے وہ بھی اس بات کو ملحوظ نہ رکھ سکے یا غور نہ کر سکے کہ یہ نقول تو مردود اور نا قابل اعتبار ہیں، اس نوع کی غلطیاں بہتوں سے ہو جایا کرتی ہیں کوئی تعجب کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے اور آئندہ ایسی غلطیوں سے حفاظت فرمائے۔

ماقبل میں جو کچھ بھی لکھا گیا وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر دینی فریضہ سمجھ کر، اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتا ہوں کہ میں امت کے کسی ادنیٰ فرد کی بھی تذلیل وتحقیر وتفضیح کا ذریعہ بنوں، یا کسی کی طرف غلط بات منسوب کروں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ بھی لکھا گیا وہ اپنے طبعی ذوق ومزاج کے خلاف محض دینی فریضہ اور شرعی حکم سے مجبور ہو کر لکھا گیا، اس لکھنے میں اگر مجھ سے کچھ قصور ہو گیا ہو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔

استغفر الله العظيم. اللّٰهم وفقنا لم تحب وترضىٰ من القول والعمل والفعل والهدى والنية.

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وعلىٰ آله واصحابه أجمعين.

محمد زید مظاہری ندوی
استاذ حدیث وفقہ
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۵/شوال ۱۴۳۸ھ